Name of Journal: Al-Anfal

ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research

Vol. 3 No.2 (2025)

Inner Truth and Moral Conflict in Majeed Amjad's Poetry: An Existential Study of the Poem 'Fard'

مجید امجد کی شاعری میں داخلی سچائی اور اخلاقی کشمکش" : نظم 'فرد' کا وجودی مطالعہ

ڈاکٹر اسد محمود خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ اردو , منہاج یونیورسٹی، لاہور
Email: assadphdir@gmail.com

Abstract

The poem "Fard" by Majeed Amjad stands as a powerful representation of existential anxiety and moral conflict in modern Urdu poetry. In this poem, the poet confronts his own inner truth, falsity, and ethical contradictions. The core question posed is whether an individual's goodness or honesty holds any meaning in the face of a vast and indifferent social system. Amjad employs symbolic language—such as "heart," "comfort," "lies," and "truth"—to reflect internal torment. This research conducts an existential analysis of "Fard" to examine how Majeed Amjad aesthetically and intellectually explores the inner truth and moral dilemmas of the individual. The poem not only reveals the complexity of one's internal world but also questions the role, responsibility, and insignificance of the individual in modern society.

Key Words: Existentialism, Inner Consciousness, Moral Conflict, Truth

مُلخّص

نظم "فرد" مجید امجد کی ان نظموں میں سے ہے جو جدید اردو نظم میں فرد کی داخلی کشمکش اور وجودی شعور کی عمدہ عکاسی کرتی ہیں۔اس نظم میں شاعر اپنے اندر کے سچ، جھوٹ، اور اخلاقی تضادات کا سامنا کرتا ہے۔ نظم کا مرکزی سوال یہ ہے کہ کیا ایک فرد کی نیکی یا سچائی اتنے بڑے اور بے حس سماجی نظام کے مقابل کچھ معنی رکھتی ہے؟ شاعر نے نظم میں "دل"، "راحت"، "جھوٹ"، اور "سچ" جیسے الفاظ کو علامتی انداز میں استعمال کر کے داخلی کرب کو اجاگر کیا ہے۔اس تحقیق میں نظم "فرد" کا وجودی مطالعہ کرتے ہوئے یہ واضح کیا

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

جائے گا کہ کیسے مجید امجد فرد کی داخلی سچائی اور اخلاقی کشمکش کو ایک جمالیاتی اور فکری سطح پر پیش کرتے ہیں۔ یہ نظم نہ صرف ایک انسان کی باطنی دنیا کو بے نقاب کرتی ہے بلکہ جدید معاشرے میں فرد کی حیثیت، ذمہ داری اور بے اثری پر بھی سوال اٹھاتی ہے۔

کلیدی الفاظ : فرد، وجودیت، داخلی شعور، اخلاقی کشمکش، مجید امجد، جدید نظم، سچائی

مجید امجد کی شاعری میں داخلی سچائی اور اخلاقی کشمکش: "نظم 'فرد' کا وجودی مطالعہ

(1)

تخلیق، انسان کے شعوری اور تحت الشعوری تجربات کی وہ نازک ترجمانی ہے جو لفظ، احساس اور خیال کو ایک باہمی ہم آہنگی میں سموتی ہے۔ اس میں محض بیان یا تفریحی مواد شامل نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک فکری اور جمالیاتی مظہر کی حیثیت رکھتا ہے جو انسانی ذہن کے تہہ در تہہ مناظر کو عیاں کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہر صنفِ ادب نے اپنی حدود میں انسانی تجربے کے مختلف رخ پیش کیے ہیں، تاہم نظم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ انسانی شعور کی مخفی پرتوں تک رسائی حاصل کرتی ہے اور ان کی نمایندگی ایک غیر معمولی تخلیقی گہرائی کے ساتھ کرتی ہے۔ نظم صرف ایک بیانیہ تکنیک نہیں، بلکہ وہ ایک فکری و جمالیاتی مقام ہے جہاں زبان اپنے مروجہ دائرے سے آگے بڑھ کر معنی کی نئی جہات کو دریافت کرتی ہے۔ اس کے اندر موجود معنوی دبازت، صوتی ہم آہنگی اور اشاراتی وسعت اسے ایک ایسا وسیلہ بنا دیتے ہیں جس کے ذریعے وہ باطنی کیفیات، احساساتی ابہام اور تجرباتی گہرائی کو موثر انداز میں پیش کر سکتی ہے۔ نظم کا متن قاری کو ایک ایسے باطنی سفر پر مائل کرتا ہے جو بیک وقت انکشاف، تامل اور دریافت کا حامل ہوتا ہے۔ نظم کی ساختی پیچیدگی اور فکری تنوع اسے محض جمالیاتی اظہار سے بلند کر کے ایک ایسے تجربے میں ڈھال دیتے ہیں جو فکری تحریک اور شعوری ارتعاش کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ تحریک قاری کے اندر سوالات کو جنم دیتی ہے، اس کی فہم کو مہمیز دیتی ہے اور اسے محض ایک خارجی ناظر سے ایک باطنی شریکِ تجربہ میں تبدیل کر دیتی ہے۔ نظم کی یہ نوعیت اسے دیگر اصنافِ ادب سے ممتاز بناتی ہے، کیونکہ یہاں محض ایک واقعہ یا احساس نہیں بلکہ ان سے وابستہ فکری و نفسیاتی پس منظر کو بھی پیش کیا جاتا ہے۔ یہی وہ سطح ہے جہاں نظم، شعور، تخلیق اور احساس ایک متحرک وحدت میں ڈھل کر قاری کو ایسے تجربے سے ہمکنار کرتی ہے جو محض محسوس نہیں کیا جاتا، بلکہ داخلی سطح پر زیست کے ایک جزو کی مانند بسر کیا جاتا ہے۔
نظم میں تخلیق کار نہ صرف خارجی دنیا کی کوئی شبیہ پیش کرتا ہے بلکہ ایک مکمل داخلی منظر نامہ تشکیل دیتا ہے جس میں خوف، امید، تنہائی، خود شناسی، اور وقت جیسے مسائل کو نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ نظم کا قاری اس فضا میں داخل ہو کر محض ایک ناظر یا سامع نہیں رہتا، بلکہ اس کے فکری اور جذباتی پہلوؤں سے اس طرح مربوط ہو جاتا ہے کہ نظم کی باطنی جہات اس کے شعور کا حصہ بننے لگتی ہیں۔ یہی شعوری انضمام ادب کو ایک زندہ، متحرک اور فکری عمل میں تبدیل کرتا ہے، جو فرد کے اندر موجود متضاد کیفیتوں کو نہ صرف آشکار کرتا ہے بلکہ اس کی فکری تربیت میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

ڈاکٹر وزیر آغا(1)، "نظم اور اس کا پس منظر" میں رقمطراز ہیں:

> "نظم بنیادی طور پر ایک صنف شعر ہے اور جب تک ہم شعر کی تعریف، اس کی حدود کا تعین اور اس کے اثرات کا محاکمہ کر لیں نظم کے بارے میں کوئی نتیجہ اخذ کرنا یا نظم کے مزاج کو متعین کرنا بہت مشکل ہو گا۔ "

تخلیق، بالخصوص نظم، جدیدیت کے فکری دائرے میں داخل ہوئی تو اس کی توجہ خارجی مظاہر سے ہٹ کر داخلی سطح کی جانب مبذول ہونے لگی۔ اس نئے رجحان میں نظم نگار صرف سماجی مناظر، جذباتی تعلقات یا ماحول کا ترجمان نہیں رہا بلکہ وہ ایک ایسا باطن آگاہ فرد بن کر سامنے آیا جو سوال اٹھاتا ہے، تذبذب کا شکار ہے اور جس کے اندرونی احوال کثیر الجہتی سطحوں پر منقسم ہیں۔ یہ فکری تبدیلی نظم کو محض فنی اظہار سے آگے بڑھا کر ایک فکری و روحانی تجربے کی صورت عطا کرتی ہے۔ جدید نظم کا شاعر اپنے وجود کو ایک متحرک اور مسلسل بدلتے ہوئے شعور کے طور پر دریافت کرتا ہے، جو اپنی ہی فکری کشمکش، خوابیدہ امکانات اور نفسیاتی پیچیدگیوں کا سامنا کرتا ہے۔ یہی باطنی سطح نظم کی شناخت کو متعین کرتی ہے اور اس کا داخلی شعور نہ صرف اسلوب اور موضوعات بلکہ علامتی نظام پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اس شعور کی تشکیل محض انفرادیت کے اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک تخلیقی امکانات کی دنیا کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اب نظم محض احساسات کے بیان تک محدود نہیں، بلکہ وہ ان دیکھے اور مبہم ذہنی مناظر کو واضح کرنے کی کوشش کرتی ہے جو شعور اور لاشعور کے مابین موجود ہوتے ہیں۔ نظم کے اندر وقت، سناٹا، روشنی، سایہ، خواب اور آئینہ جیسے مظاہر صرف سطحی علامات نہیں بلکہ وہ تہہ دار مفاہیم کی حامل اشکال کے طور پر ابھرتے ہیں، جو قاری کو مسلسل متحرک رکھتے ہیں کہ وہ ان میں چھپے ہوئے فکری پس منظر کو دریافت کرے۔ جب قاری نظم کو صرف الفاظ کی ترتیب نہیں بلکہ ایک فکری تعامل کے طور پر برتنے لگتا ہے، تو وہ اس داخلی تجربے کا جزو بن جاتا ہے۔ یہی تخلیقی جوہر نظم کو ایک مجرد ادبی اظہار کے درجے سے بلند کر کے ایک فلسفیانہ مظہر میں ڈھال دیتا ہے۔

در حقیقت، جدید نظم ایک مکالماتی کیفیت کی حامل ہوتی ہے—فرد کا مکالمہ اپنی ذات سے، اپنے ماحول سے، اور اپنے وقت سے۔ یہ گفت و شنید محض سوالات کی حد تک محدود نہیں رہتی، بلکہ ایک ایسی فکری حرکت پیدا کرتی ہے جو قاری کو اپنے باطن کا سامنا کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ نظم کی یہی جہت اسے صرف فن نہیں بلکہ ایک فکری اور روحانی تجربے میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یوں دیکھا جائے تو جدید نظم صرف ادبی اظہار نہیں بلکہ ایک داخلی کائنات کی ترجمان ہے، جہاں فرد اپنی معنویت، اپنی شناخت اور اپنے اندیشوں کے ساتھ زندہ اور سرگرم موجود رہتا ہے۔ اس مقام پر ادب محض لطافت کا حامل نہیں رہتا، بلکہ ایک باشعور بیداری کا اظہار بن جاتا ہے— اور نظم، اس بیداری کی سب سے گہری اور نفیس ترین صورت ہے۔ نظم کے ارتقائی منظر نامے کو بیان کرتے ہوئے کوثر مظہری(2) لکھتے ہیں:

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

"جدید نظم نگاری کی جو تحریک آزاد، اور حالی کے زمانے میں شروع ہوئی وہ اپنا
کام کرتی رہی۔ آہستہ آہستہ موضوعاتی، اسلوبیاتی اور ہیتی اعتبار سے تبدیلیاں رونما
ہوتی رہیں اور بیسویں صدی کی نئی شاعری بالخصوص جدید نظم نگاری کے لیے
زمین ہموار ہوتی گئی۔ عام انسانی جذبات اور معاشرے کے حسن و قبیح کو کھل کر
سچائی کے ساتھ پیش کرنے کی روش قائم ہوئی۔"

وجودی فکر ایک ایسا فکری رجحان ہے جو اگرچہ انیسویں صدی کے وسط میں مغربی فلسفے میں ایک مستقل مکتبِ فکر کے طور پر ابھرا، تاہم اس کی جڑیں انسانی شعور کی ابتدائی سطح تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ فکر ان بنیادی سوالات سے جنم لیتی ہے جو ہمیشہ سے انسان کے باطن کو متحرک کرتے آئے ہیں: "میں کون ہوں؟"، "میری زندگی کی معنویت کیا ہے؟"، اور "کیا میں اپنے افعال میں خود مختار ہوں؟"۔ یہ سوالات فرد کی داخلی ہستی اور اس کی فکری خودی کو مسلسل مہمیز دیتے ہیں، اور اسے ایک ایسی کیفیت سے آشنا کرتے ہیں جو اس کی روحانی اور اخلاقی بنیادوں کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔ سورن کیرکیگارڈ، جنہیں اس رجحان کا ابتدائی معمار تصور کیا جاتا ہے، نے فرد کی "اندرونی صداقت" کو ہر قسم کی مذہبی یا سماجی ساخت پر فوقیت دی۔ ان کے نزدیک اضطراب (جو وہ "انسانی آزادی کا ادراک" کہتے ہیں) کوئی نفسیاتی کمزوری نہیں بلکہ ایک بیداری کا لمحہ ہے، جو فرد کو اپنے امکانات، انتخاب اور ذمہ داری کا شعور عطا کرتا ہے۔ یہی اضطراب دراصل اُس وجودی لمحے کی نمائندگی کرتا ہے جہاں فرد پہلی بار اپنی اصل فکری ہستی سے روبرو ہوتا ہے۔ یہی کیفیت ادب، خاص طور پر جدید نظم میں، اس انداز میں جھلکتی ہے کہ شاعر کا "فرد" اب کوئی خارجی کردار نہیں رہتا، بلکہ وہ ایک داخلی کائنات کا نمائندہ بن جاتا ہے۔ نظم میں جب شاعر اپنی ذات، تضاد، خامشی اور سچائی سے مکالمہ کرتا ہے، تو وہ محض ایک تخلیقی عمل نہیں بلکہ ایک وجودی تجربہ ہوتا ہے — ایسا تجربہ جو نہ صرف شعور کو جھنجھوڑتا ہے بلکہ قاری کو بھی اپنی باطنی دنیا کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کیرکیگارڈ (3) لکھتی ہے:

"اضطراب دراصل آزادی کی چکر آور کیفیت ہے، جو اس وقت ابھرتی ہے جب
روح اپنی حقیقت کی تشکیل چاہتی ہے، اور آزادی اپنی ممکنہ وسعت میں جھانکتی
ہے، اور اپنے آپ کو قائم رکھنے کے لیے کسی محدود پہلو کو تھام لیتی ہے۔"

فریڈرک نطشے (Friedrich Nietzsche) ان اہم مفکرین میں شمار کیے جاتے ہیں جنہوں نے وجودی فلسفے کی فکری بنیادوں کو نئی جہات فراہم کیں۔ نطشے نے انسانی شعور کو روایتی مذہبی اور اخلاقی نظام سے آزاد کر کے اسے ایک بااختیار اور خود معنی تخلیق کرنے والی ہستی (meaning-making self) کے طور پر پیش کیا۔ ان کے نزدیک انسان محض ایک تابع وجود نہیں، بلکہ ایک ایسا فرد ہے جو اپنی زندگی کے مفہوم کو خود دریافت کرتا ہے اور اپنی اقدار کی تشکیل کا ذمہ دار بھی خود ہے، نطشے (4) کے مطابق:

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

"وہ بنو جو تم ہو! وہ کرو جو صرف تم ہی کر سکتے ہو۔اپنے آپ کے مالک اور مجسمہ ساز بنو۔"

بیسویں صدی میں وجودی فکر ایک باقاعدہ اور منظم فلسفیانہ تحریک کی صورت اختیار کر گئی، جب ژاں پال سارتر (Jean-Paul Sartre)، مارٹن ہائیڈیگر (Martin Heidegger)، البرٹ کامو (Albert Camus) اور کارل جیسپرز (Karl Jaspers) جیسے مفکرین نے اس فکر کو محض ماورائی یا مجرد مباحث سے نکال کر انسانی تجربے، نفسیاتی پیچیدگی، اور معاشرتی حقیقتوں سے ہم آہنگ کیا۔ ان مفکرین کے ہاں وجودیت صرف ایک فکری نظریہ نہیں رہی بلکہ ایک عملی جہت (existential praxis) اختیار کر گئی، جہاں فرد کو محض ایک مجرد ہستی کے بجائے ایک جبر، آزادی، اور اضطراب سے نبرد آزما شعور کے طور پر پیش کیا گیا۔ سارتر نے انسانی آزادی (freedom of choice) اور اس کے ساتھ وابستہ ذمہ داری کو وجودیت کا مرکز قرار دیا، جبکہ ہائیڈیگر نے "ہستی کی معنویت (being-in-the-world) " کے تناظر میں فرد کو زمان و مکان سے جڑی ایک جیتی جاگتی حقیقت کے طور پر دیکھا۔ البرٹ کامو نے بے معنویت (absurdity) اور زندگی کے "غیر منطقی تسلسل" کو وجودی شعور کی بیداری کا محرک گردانا، جبکہ یاسپرز نے وجودی ارتباط کو روحانی اور اخلاقی ارتقاء سے جوڑنے کی کوشش کی؛ سارترے(5) لکھتا ہے:

"انسان وہی کچھ ہے جو وہ خود اپنے لیے بناتا ہے اور یہی وجودیت کا پہلا اصول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان پہلے وجود میں آتا ہے، خود سے ٹکراتا ہے، دنیا میں اُبھرتا ہے اور بعد میں اپنی تعریف خود طے کرتا ہے۔"

یہی فکری جدت اور نفسیاتی عمق ہے جو بیسویں صدی کے ادیبوں اور شعرا، خصوصاً اردو کے جدید نظم نگاروں میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ مجید امجد جیسے شعرا کے ہاں یہ وجودی حساسیت نہ صرف ان کے اسلوب اور علامتوں میں جھلکتی ہے بلکہ فرد کی داخلی کشمکش کو ان کی تخلیقات کا مرکزی محور بنا دیتی ہے۔

شاعری اور نظم، نے وجودی فکر (Existential Thought) کو محض ایک نظری فریم ورک کے طور پر نہیں بلکہ ایک داخلی تجربے کی صورت میں جذب کیا ہے۔ جہاں فلسفہ وجودیت کو مفہوم بخشنے کے لیے منطق اور استدلال کی زبان اختیار کرتا ہے، وہیں ادب؛ وربطورِ خاص نظم؛ سے محسوسات، علامتوں اور تخلیقی اظہار کے ذریعے ایک جیتی جاگتی تجرباتی حقیقت میں ڈھال دیتا ہے۔ بیسویں صدی، بالخصوص دوسری جنگِ عظیم کے بعد، وہ مرحلہ تھا جہاں انسانی شعور نے تہذیبی، مذہبی، اور سائنسی اصولوں کی ساخت پر سوال اٹھایا، اور فرد تنہائی، بے معنویت اور تشکیک کے وجودی بحران سے دوچار ہوا۔ یہی بحران نظم کے شعری ڈھانچے (Poetic Structure) میں ایک فکری وسعت کے طور پر ظاہر ہوا، جہاں نظم صرف جذباتی ابھار کا وسیلہ نہ رہی بلکہ فرد کی داخلی کشمکش، وجودی اضطراب (Existential Anxiety) اور خودی کی دریافت (Search for Selfhood) کا آلہ بن گئی۔

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

اب نظم خارجی مناظر کی نمائندگی کے بجائے ایک ایسا باطنی مکالمہ (Internal Dialogue) بن چکی ہے جو قاری کو فرد کی تنہائی، بے چینی، اور بیداری جیسے تجربات سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ نظم کے اندر الفاظ محض صوتی وحدتیں نہیں رہتے، بلکہ وہ ایک فکری علامت (Symbolic Abstraction) کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں۔ "موت"، "خاموشی"، "وقت"، "آواز"، "سایہ"، "راستہ" اور "خوف" جیسے الفاظ نظم میں وجودی کرب اور انسانی شعور کی تہہ در تہہ کیفیتوں کو مجسم کرتے ہیں۔ اس تناظر میں نظم قاری کے لیے صرف ایک متن نہیں بلکہ ایک سفر (Experiential Journey) بن جاتی ہے، جو نہ صرف ذہنی سطح پر، بلکہ روحانی اور نفسیاتی سطح پر بھی قاری کو متاثر کرتی ہے۔

نظم، نے وجودی رجحان کو اس تخلیقی گہرائی کے ساتھ مربوط کیا ہے کہ اب نظم محض ایک ذاتی اظہار کی صنف نہیں رہی، بلکہ وہ فکری مزاحمت، داخلی تشکیک، اور شعوری دریافت کا ایک وسیلہ بن چکی ہے۔ جدید نظم، جو فرد کی سچائی (Authenticity)، آزادیِ انتخاب (Freedom of Choice)، اور داخلی آویزش کو مرکز بناتی ہے، دراصل وجودی فکر کا ایک جمالیاتی اظہار (Aesthetic Manifestation) ہے۔ یہ نظم قاری کو دعوتِ فکر دیتی ہے کہ وہ کائنات سے پہلے خود اپنی ہستی میں جھانکے، اور اس عملِ مکاشفہ میں اپنے وجود کے سوالات سے روبرو ہو۔ اسی لیے جدید نظم بیان پر اکتفا نہیں کرتی، بلکہ سوال اٹھاتی ہے؛ وہ قاری کو ذہنی آسودگی سے نکال کر فکری بیداری کی دہلیز پر لا کھڑا کرتی ہے۔ اس تناظر میں نظم محض ایک تخلیقی ساخت نہیں، بلکہ ایک فکری اور وجودی جہت ہے؛ یہی جہت جو انسان کو اس کی گمشدہ معنویت سے دوبارہ جوڑنے کی سعی کرتی ہے۔ تھامس آر فلانن (6) رقمطراز ہے:

> "ادب وجودی اضطراب کے لیے ایک پناہ گاہ بن جاتا ہے؛ ایک ایسی جگہ جہاں فرد
> زندگی کی بے معنویت، آزادی کی دہشت، اور انتخاب کے بوجھ کا سامنا زبان،
> استعارے اور بیانیے کے ذریعے کر سکتا ہے۔"

جدید نظم نگاری میں مجید امجد کو محض ایک فنی یا تکنیکی تجدید کار کے طور پر محدود کر نا ان کی شعری جہات کے ساتھ شدید ناانصافی ہوگی۔ وہ نہ صرف ایک اسلوبی وجدان رکھنے والے شاعر ہیں، بلکہ ایک بیدار فکری شعور کے حامل تخلیق کار بھی ہیں، جنہوں نے نظم کو صنف، عروض یا مروجہ موضوعات کے مخصوص دائرے سے نکال کر ایک وجودی مکالمے (Existential Dialogue) کی صورت عطا کی۔ امجد کی نظم میں لفظ محض اظہار (Expression) کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک کشفی آلہ (Tool of Revelation) ہے، جو انسان کے اندر پوشیدہ اُن کیفیات، سوالات اور ابہامات کو سطح پر لاتا ہے، جو عمومی ادبی روایت میں دبے رہتے ہیں۔ ان کی شاعری ایک ایسا فکری و حسی تجربہ ہے جہاں فرد نہ صرف اپنے داخلی وجود سے مکالمہ کرتا ہے بلکہ انتخاب (Choice)، خوف (Anxiety)، تنہائی (Solitude) اور خودی (Authentic Self) جیسے وجودی موضوعات

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ یہ "فرد" کوئی رسمی یا اجتماعی شناخت رکھنے والا معاشرتی کردار نہیں، بلکہ ایک آزاد، تشکیک آمیز اور شعور یافتہ وجود ہے، جو خود اپنی صداقت کا متلاشی ہے۔ مجید امجد کی نظموں میں یہ فرد خارجی دنیا سے کٹ کر اپنے اندر کی دنیا سے جُڑتا ہے، اور یہ باطنی وابستگی (Inner Alignment) ہی اسے فکری انفرادیت عطا کرتی ہے۔ ان کی نظموں میں "میں (lyrical I) " کا تصور محض ذاتی اظہار نہیں بلکہ ایک فلسفیانہ تعینِ ہویت (Ontological Positioning) کا عمل ہے، جو روایتی مابعد الطبیعیاتی و تہذیبی حوالوں سے آزاد ہو کر ایک داخلی صداقت کی جستجو کرتا ہے۔ لہٰذا، مجید امجد کے شعری تجربے کو صرف نظمِ معریٰ یا آزاد نظم کے تناظر میں دیکھنا اس کے فکری جوہر (Intellectual Core) کو نظرانداز کرنے کے مترادف ہے۔ ان کی شعری زبان محض صوتی حسن یا بصری تاثر کی حامل نہیں، بلکہ یہ زبان ایک تخلیقی تشکیل ہے، جو شعور کی گہرائیوں میں پیوست خدشات، امکانات اور سوالات کو علامت (Symbol) ، تجرید (Abstraction) ، تکرار (Repetition) اور سوالیہ لہجے (Interrogative Tone) کے ذریعے نمایاں کرتی ہے۔

مجید امجد کی نظمیں صرف فرد کی ذات تک محدود نہیں، بلکہ وہ ایک اجتماعی فکری بحران کی بھی نشان دہی کرتی ہیں۔ ان کی شاعری میں فرد کی خاموشی محض انفرادی کرب نہیں بلکہ سماجی وجودیاتی الجھن کی علامت بن جاتی ہے، اور ان کا بیدار شعور ایک تخلیقی مزاحمت (creative resistance) کی صورت اختیار کرتا ہے۔ مجید امجد (7) کی نظم "فرد" اسی وجودی بیداری (existential awakening) کا ایک شعری استعارہ ہے، جہاں شاعر صرف سوال نہیں کرتا بلکہ قاری کو بھی اس سوال میں شریک کر کے اسے اپنی داخلی کائنات کی جانب متوجہ کرتا ہے۔

(2)

اردو نظم میں اگر کوئی شاعر وجودی فکر (Existential Thought) کو صرف ایک فکری میلانیہ کے طور پر نہیں، بلکہ اپنے تخلیقی شعور اور داخلی جمالیات کا بنیادی حوالہ بنا کر پیش کرتا ہے، تو وہ مجید امجد ہیں۔ ان کی شاعری کو محض جدید نظم کے فنی انحراف، عروضی تجربے، یا آزاد اسلوب کے مظاہر میں محدود کر دینا دراصل اس شعری کائنات کی معنوی گہرائی کو نظرانداز کرنے کے مترادف ہے جسے انہوں نے فرد کی تنہائی، اضطراب، اور باطنی مکالمے کے ذریعے دریافت کیا۔ مجید امجد کا شعری منصب اس معنی میں منفرد ہے کہ یہاں فرد نہ کوئی کلاسیکی کردار ہے، نہ رومانوی ہستی، نہ عرفانی پیکر؛ بلکہ ایک فکری وحدت ہے —— ایک ایسا متذبذب، غیر مطمئن، اور بیدار شعور جو سماجی، مذہبی اور تہذیبی بندھنوں سے آزاد ہو کر اپنی وجودی حیثیت (ontological identity) کا خود تعین کرتا ہے۔ ان کے ہاں "فرد" ایک ایسا شعری کردار ہے جو اپنی ذات کے داخلی تناقضات، سوالات اور خلاؤں کے بیچ زندگی کے حقیقی مفہوم کو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی جدوجہد دراصل وہ داخلی سفر ہے جسے وجودی فلسفے میں "خودی کی تشکیل " (Formation of Authentic Self) کا نام دیا جاتا ہے۔ ان کی نظموں میں یہ شعور محض جذباتی ردعمل نہیں بلکہ

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

فکری جستجو، علامتی کلام، اور صوتی تناظر کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یہاں نظم ایک ایسے اظہار کا وسیلہ بن جاتی ہے جو قاری کو محض تاثر یا تجربے کی سطح پر نہیں، بلکہ عقلی اور روحانی مکالمے میں بھی شریک کرتی ہے۔ "فرد" جیسے متون میں مجید امجد کا شاعر انسان کو تنہائی، خاموشی، عدمِ یقین، اور سوالات کی فضا میں لا کھڑا کرتا ہے، جہاں وہ خود اپنا محاسب اور نجات دہندہ ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مجید امجد کی شاعری محض ادب نہیں رہتی بلکہ ایک فکری بصیرت، ایک وجودی منطق، اور ایک جمالیاتی عمل بن جاتی ہے —— ایسا عمل جو قاری کو اس کی ظاہری شناختوں سے نکال کر اس کی داخلی پیچیدگیوں کی شناخت کرواتا ہے۔ چنانچہ نظم "فرد" صرف ایک شخصی تجربے کا بیان نہیں بلکہ اردو نظم کی فکری ارتقا کا وہ مرحلہ ہے جہاں شاعری اور فلسفہ ایک دوسرے میں جذب ہو جاتے ہیں۔

ارتضٰی کریم(8) لکھتے ہیں:

> "اردو ادب میں مزاحمت اور احتجاج کے رویے یا اس کی صورت حال یا اس کے طریقۂ کار یا اس کی لے - آپ جس طرح بھی کھیں، اس کا مفہوم بہت واضح ہے۔ زیر نظر کتاب میں جو مضامین شامل کیے گئے ہیں، ان کے حوالے سے اسی گفتگو کو آگے بڑھانے کی اور یہ جاننے کی کوشش کی گئی ھے کہ اردو ادب میں مزاحمت اور احتجاج کے رویے کی نوعیت کیا رھی ھے۔ "

مجید امجد کی نظم "فرد" اردو نظم میں وجودی فکر کے اس بیانیے کی نہایت بلیغ، گہری اور تہہ دار مثال ہے، جس میں شاعر نظم کو محض ایک ادبی اظہار یا جذباتی تاثر تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ اسے ایک فکری و روحانی تجربہ بنا دیتا ہے۔ یہ نظم ایک ایسے شعری موقف کی نمائندہ ہے جو داخلی شعور، وجودی کرب، اور معنوی جستجو کو نظم کی علامتی، تجریدی اور صوتی ساخت کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ اس نظم میں مجید امجد نے فرد کو محض ایک سماجی اکائی، ثقافتی نمائندہ یا طبقاتی کردار کے طور پر پیش کرنے کے بجائے، اسے ایک جیتی جاگتی، متفکر اور باطنی طور پر متذبذب ہستی کی صورت میں پیش کیا ہے —— ایسا فرد جو مسلسل سوال کرتا ہے، جو اپنے وجود کی صداقت کو خارج میں نہیں بلکہ اپنے باطن کی پیچیدہ گہرائیوں میں تلاش کرتا ہے۔ اس کا وجود ایک روحانی تنہائی (spiritual solitude)، ایک داخلی اضطراب، اور ایک فکری تذبذب کے بھنور میں گردش کرتا نظر آتا ہے، جہاں وہ روایت، مذہب، سماج اور حتیٰ کہ خود اپنے ماضی سے بھی کٹ کر، محض اپنی آواز، اپنے سوال، اور اپنی بے قراری پر انحصار کرتا ہے۔ نظم کا عنوان "فرد" —— بظاہر ایک سادہ اور عمومی لفظ —— اپنے اندر نہایت مرکزی معنویت لیے ہوئے ہے۔ یہ محض عنوان نہیں بلکہ اس نظم کی فکری اور موضوعاتی ساخت کا جوہری نکتہ ہے۔ یہ لفظ دراصل اس امر کی علامت ہے کہ نظم کسی اجتماعی، سیاسی یا رومانوی سانچے میں قید نہیں بلکہ فردِ واحد کے اندر برپا ہونے والے باطنی بحران کی کہانی ہے۔ شاعر اس نظم میں ایک ایسے اندرونی مکالمے کو گرفت میں لاتا ہے جس میں "میں" کا تصور کسی ثقافتی یا اخلاقی سانچے سے باہر نکل کر ایک خود مختار، غیر مرئی، اور باطن شناس سطح پر منتقل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مجید امجد کی نظم محض شاعری

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

نہیں رہتی بلکہ ایک فکری مظہر (intellectual phenomenon) بن جاتی ہے — ایک ایسا مظہر جو ادب، فلسفہ اور نفسیات کے سنگم پر کھڑا ہے۔ یہاں نظم کا ہر لفظ ایک علامت ہے، ہر خاموشی ایک صدا، اور ہر مصرع ایک سوال۔ قاری نظم کو صرف "پڑھتا" نہیں بلکہ اس میں شامل ہوتا ہے؛ وہ نظم کو "جیتا" ہے، کیونکہ یہ نظم اُسے خود اس کے وجود کے ساتھ مخلص مکالمے پر مجبور کرتی ہے۔ یوں "فرد" صرف نظم کا عنوان نہیں بلکہ ایک فکری زاویہ، ایک وجودی سوال، اور ایک شعری فلسفہ ہے — جو اردو شاعری میں مجید امجد کے منفرد اور بلند فکری مقام کی تصدیق کرتا ہے۔

اردو جدید نظم کی روایت میں مجید امجد کی نظم "فرد" اس تخلیقی اور فکری مقام کی نمائندہ ہے، جہاں شاعری محض تاثرات یا اسلوبی تجربہ نہیں رہتی بلکہ شعور، وجود اور اخلاقی صداقت کی بین السطور مکالمہ بن جاتی ہے۔ یہ نظم ایک سطح پر فرد کی تنہائی اور داخلی بے قراری کی ترجمان ہے، لیکن اس کا اصل جوہر ایک وجودی مکالمہ ہے؛ ایسا مکالمہ جو شاعر خود اپنے آپ سے کرتا ہے، اور قاری کو بھی اس میں شریک کر لیتا ہے۔ نظم کا ہر مصرع، ہر علامت اور ہر سوال دراصل ایک گہرے فکری خود احتسابی (introspective dialectic) کا مظہر ہے، جہاں زبان محض اظہار نہیں بلکہ صداقت کے امکانات اور شکستگی کے اعتراف کا آلہ کار بن جاتی ہے۔ نظم کا آغاز ہی اس سوال سے ہوتا ہے جو انسانی شعور کی بنیادی الجھنوں میں سے ایک ہے:

"اتنے بڑے نظام میں صرف اک میری ہی نیکی سے کیا ہوتا ہے"(9)

یہ محض ایک Rhetorical Gesture نہیں، بلکہ ایک گہرا فلسفیانہ شکوہ ہے، جو سماجی، اخلاقی اور وجودی سطح پر فرد کی بے بسی کو عیاں کرتا ہے۔ یہاں "نیکی" صرف اخلاقی عمل نہیں، بلکہ باطنی صداقت (Moral Authenticity) کی علامت ہے۔ شاعر اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ اگر اس کی سچائی مکمل ہوتی، تو شاید وہ پورے نظام جھوٹ سے ٹکرا سکتا تھا، لیکن وہ خود اعتراف کرتا ہے کہ وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس نظم میں یہی اعتراف، شکست نہیں بلکہ بیداری کی علامت ہے۔

ڈاکٹر شاہ عالم(10) لکھتے ہیں:

"مجید امجد کی شاعری میں آدمی کی مظلومی پر اظہارِ رنج محض ایک جذباتی ردعمل
نہیں، بلکہ ایک فکری احتجاج ہے — ایسا احتجاج جو محبت، صداقت اور شعور کی
تہوں سے گزر کر فرد کو اجتماعی جبر کے خلاف ایک باطنِ بیدار کی صورت میں
پیش کرتا ہے۔"

مجید امجد "میز پر سجی ہوئی دنیا" کا ذکر کر کے ہمیں اس داخلی استقرار کی تصویر دکھاتے ہیں جو در حقیقت ایک نظم شدہ فریب ہے۔ قلم، کاغذ، اور "ٹوٹی پھوٹی نظمیں" — یہ سب چیزیں شاعر کے فکری اور نفسیاتی حیلے ہیں جن کے ذریعے وہ اپنی کمزوری کو ایک خوشنما ترتیب میں چھپا لیتا ہے۔ یہاں قرینہ، سلیقہ، اور ترتیب اصل میں اس بے ترتیبی کا نقاب ہیں جو سچائی کی غیر موجودگی نے پیدا کی ہے۔ گویا فرد

اپنے شعور کو مطمئن رکھنے کے لیے ایک تخلیقی جھوٹ کا سہارا لیتا ہے، جو بظاہر خوبصورت ہے، لیکن اصل میں ایک گریز ہے۔ نظم کا سب سے گہرا لمحہ اس وقت آتا ہے جب شاعر کہتا ہے:

"اگر ایک میں ہی سچا ہوتا(11)"

یہ، اپنی سادگی میں ایک وجودی بحران کا خلاصہ ہے۔ یہ ایک مفروضہ ہے، مگر اس کے پیچھے صداقت کا شدید تر احساس پوشیدہ ہے۔ اگر وہ سچا ہوتا تو اس کی دنیا کے سارے قرینے ٹوٹ چکے ہوتے، اس کے جسم کے ٹکڑے جھوٹ کے آرے تلے آ چکے ہوتے—یہ ایک علامتی خود قربانی (symbolic self-crucifixion) کا منظر نامہ ہے، جو اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ سچائی کا انتخاب صرف ایک فکری عمل نہیں، بلکہ ایک وجودی قیمت (existential cost) کا تقاضا کرتا ہے۔ اس نظم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ قاری کو کسی تسلی بخش انجام پر نہیں پہنچاتی۔ یہ نہ کوئی پیغام دیتی ہے، نہ کوئی اخلاقی ہدایت؛ بلکہ صرف سوال چھوڑتی ہے؛ اور یہی اس کا ادبی وقار اور فکری وقوف ہے۔ "فرد" ایک ایسی نظم ہے جس میں شاعری، صداقت اور خودی—تینوں باہم مدغم ہو کر ادب کو ایک فکری تجربے میں بدل دیتے ہیں۔ مجید امجد یہاں محض شاعر نہیں، بلکہ ایک وجودی مکالمہ نگار کے طور پر سامنے آتے ہیں، جو لفظ کے ذریعے خود کو بھی اور قاری کو بھی آئینہ دکھاتے ہیں۔

(3)

مجید امجد کی نظم "فرد" نہ صرف اس کے فکری عمق کی مظہر ہے بلکہ اس میں اختیار کی گئی علامتی زبان، تجریدی تشکیل، اور مسلسل سوالیہ لہجہ نظم کو محض ایک تخلیقی اظہار کی بجائے ایک مربوط فکری نظام میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ عناصر نظم کے اس ادبی اور فلسفیانہ وحدت (aesthetic-philosophical unity) کو جنم دیتے ہیں، جس میں زبان، تجربہ اور شعور ایک دوسرے میں جذب ہو کر ایک وجودی اظہار کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہ وہ کیفیت ہے جہاں نظم صرف معنی کی ترسیل نہیں رہتی بلکہ خود معنی کی تشکیل (meaning-making process) بن جاتی ہے۔ مجید امجد کی نظم "فرد" نہ صرف اس کے فکری عمق کی مظہر ہے بلکہ اس میں اختیار کی گئی علامتی زبان، تجریدی تشکیل، اور مسلسل سوالیہ لہجہ نظم کو محض ایک تخلیقی اظہار کی بجائے ایک مربوط فکری نظام میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ تینوں عناصر نظم کی باطنی ساخت کو محض اسلوبیاتی سطح پر نہیں بلکہ ایک فکری جہت میں تشکیل دیتے ہیں، جس کی بنیاد شاعر کی داخلی کشمکش، شعوری اضطراب، اور صداقت کی تلاش میں پیوست ہے۔ نظم کی علامتی زبان شاعر کے نجی تجربے کو اس طرح سے عام فہم وجودی معنویت عطا کرتی ہے کہ ایک فرد کی خاموشی، اس کے قلم کی موجودگی، یا اس کی میز پر رکھی "ٹوٹی پھوٹی نظمیں" اجتماعی شعور کے بحران کی علامت بن جاتی ہیں۔ ان علامتوں میں کوئی سجاوٹی جمالیات نہیں بلکہ تخلیقی صداقت ہے، جو وجود کی شکستگی اور بکھراؤ کو فن میں ضم کر دیتی ہے۔

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

تجریدی تشکیل، جو اس نظم کا دوسرا اہم جزو ہے، قاری کو کسی روایتی بیانیہ یا داستانوی تسلسل میں باندھنے کے بجائے، ایک ایسے تخلیقی خلا میں رکھتی ہے جہاں تجربہ محض بیان نہیں ہوتا بلکہ اس کی داخلی ترتیب خود قاری کے شعور میں تشکیل پاتی ہے۔ نظم کسی خارجی واقعے کی ترجمانی نہیں کرتی، بلکہ فرد کے باطن میں ابھرتے ہوئے سوالات، اخلاقی پیچیدگی، اور خاموش اضطراب کو، ایک غیر خطی مگر مربوط ساخت میں پیش کرتی ہے۔ یہی تجرید نظم کو اس کی معنی خیزی سے خالی نہیں کرتی بلکہ اسے فکر کا ایسا کینوس بنا دیتی ہے جہاں ہر علامت، ہر سطر، اور ہر وقفہ اپنے اندر ایک مکمل معنوی کائنات لیے ہوئے ہوتا ہے۔ تیسرا عنصر، یعنی مسلسل سوالیہ لہجہ، نظم کے اندر ایک داخلی مکالمے کو جنم دیتا ہے۔ یہاں شاعر نہ کسی خارجی سامع سے مخاطب ہے، نہ کسی روایتی کردار سے، بلکہ یہ سوالات ایک فکری آئینہ ہیں جن میں شاعر اپنا ہی چہرہ دیکھتا ہے اور شناخت کی تشکیل یا رد میں الجھتا ہے۔ سوالیہ لہجہ نظم کو ایک متحرک (dynamic) فکری ساخت عطا کرتا ہے، جہاں ہر سوال کے ساتھ نئی فکری پرت کھلتی ہے، اور معنی کسی جامد حتمیت کے بجائے مسلسل عمل میں رہتا ہے۔ یہ تمام عناصر نظم کے اس ادبی اور فلسفیانہ وحدت کو جنم دیتے ہیں جس میں زبان، تجربہ، اور شعور ایک دوسرے میں ضم ہو کر نظم کو ایک وجودی اظہار میں ڈھال دیتے ہیں۔ یہاں نظم صرف معنی کی ترسیل نہیں رہتی بلکہ خود معنی کی تشکیل کا عمل بن جاتی ہے — یعنی شاعر اور قاری دونوں ایک ایسی تخلیقی فضا میں داخل ہوتے ہیں جہاں ہر لفظ اپنی معنویت خود تراشتا ہے، اور شعور محض عکاسی نہیں کرتا بلکہ معنی کا شریکِ تخلیق بن جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نظم، ایک فن پارے سے آگے بڑھ کر فکری اور روحانی تجربے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

مجید امجد کی نظم "فرد" میں علامتیں محض تصویری جمالیات یا اسلوبی زینت کے طور پر استعمال نہیں ہوتیں، بلکہ یہ شاعر کی داخلی کشف، اخلاقی اضطراب، اور وجودی تگ و دو کی مادی تجسیم بن جاتی ہیں۔ یہ علامتیں — جیسے "میز"، "کاغذ"، "قلم"، اور "ٹوٹی پھوٹی نظمیں" — شاعر کی تنہائی، اس کی فکری کم آمیزی، اور اس کے شعوری کرب کا خارجی پیکر ہیں۔ جب شاعر کہتا ہے "میز پر اپنی ساری دنیا / کاغذ اور قلم اور ٹوٹی پھوٹی نظمیں / ساری چیزیں بڑے قرینے سے رکھ دی ہیں" تو بظاہر یہ ایک ترتیب، ایک نظم، ایک خود ساختہ سکون کی علامت ہے۔ لیکن یہ ظاہری قرینہ شاعر کی اندرونی شکستگی کا پردہ ہے — ایک ایسی کوشش کہ شاید بیرونی ترتیب، اندرونی بکھراؤ کو سنوار دے۔ یہی "میز" دراصل اس کا وجود ہے، اور اس پر رکھی "ٹوٹی پھوٹی نظمیں" اس کے خواب، اس کی جدوجہد، اور اس کی نارسائیاں ہیں۔ یہ علامتی عمل شاعر کی داخلی کائنات کو خارجی اشیاء میں سمو دینے کی کوشش ہے — یعنی ایک طرح کی — existential projection لیکن جب وہ کہتا ہے:

سارے جھوٹ مری تصدیق کو آجاتے ہیں / ایک اگر میں سچا ہوتا(12)"

تو یہاں پر پوری علامتی دنیا منہدم ہو جاتی ہے۔ شاعر کو یہ ادراک ہوتا ہے کہ اس کی جمالیاتی ترتیب، اس کی معنوی کائنات، ایک جھوٹ پر قائم ہے؛ کہ سچ اگر موجود ہوتا تو قرینے بکھر جاتے، اور شاید اسی بکھراؤ میں صداقت کی جھلک ملتی۔ یہ وہ لمحہ ہے جہاں شاعر ایک شدید

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

اخلاقی اور فکری کشمکش میں داخل ہوتا ہے۔ وہ خود کو سچا نہیں پاتا، مگر یہ اعتراف بھی اس کی صداقت کی ایک علامت بن جاتا ہے۔ یہاں "سچ" اور "جھوٹ" محض اخلاقی اصطلاحات نہیں بلکہ وجودی حالتیں ہیں۔ سچ ہونا گویا اپنے وجود کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ ہونا ہے — ایک ایسی ہم آہنگی جو قربانی، تنہائی اور بے قراری سے بھری ہوئی ہے۔ اگر وہ "سچا ہوتا"، تو یہ سچ اتنا شدید اور غیر مصالحتی ہوتا کہ نظم میں موجود "جسم کے ٹکڑے" — یعنی وجود کی قربانی — ناگزیر بن جاتی۔ یہ قربانی محض جسمانی نہیں بلکہ فکری، اخلاقی اور جمالیاتی سطح پر "خود کو توڑ دینے" کی کیفیت ہے۔ اسی طرح نظم میں "اتنے بڑے نظام سے میری اک نیکی ٹکرا سکتی تھی" جیسے مصرع میں "نیکی" بھی ایک وجودی علامت بن جاتی ہے۔ یہ نیکی کوئی روایتی مذہبی فضیلت نہیں بلکہ شاعر کی انفرادی اخلاقیات، اس کی خودساختہ صداقت کا استعارہ ہے۔ یہ نیکی اس وقت اثر رکھتی جب فرد مکمل طور پر "خود" ہوتا — اپنے اندر کے سچ کے ساتھ جیتا۔ لیکن چونکہ وہ مکمل "سچا" نہیں، اس لیے اس کی نیکی بھی نظام سے نہیں ٹکرا سکتی۔ اس مقام پر نظم انفرادی شعور اور اجتماعی نظام کے درمیان کشمکش کی علامت بن جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مجید امجد کی علامتیں وجودی بصیرت کے وسیلے بن جاتی ہیں۔ وہ صرف اشیاء کو بیان نہیں کرتے بلکہ ان اشیاء کے پیچھے چھپے وجودی بحران کو وا کرتے ہیں۔ اس نظم میں ہر علامت ایک داخلی سوال، ہر تجرید ایک اخلاقی لرزہ، اور ہر سطر ایک شعوری صداقت ہے — اور یہی وہ وحدت ہے جو اس نظم کو محض نظم نہیں، بلکہ فکری اور جمالیاتی انکشاف میں بدل دیتی ہے۔

مجید امجد کی نظم "فرد" کا ایک اہم ترین شعری اور فکری پہلو اس کا سوالیہ لہجہ ہے، جو نظم کو صرف بیان یا اظہار کی سطح پر نہیں رکھتا بلکہ ایک ایسی شعری کائنات میں منتقل کرتا ہے جہاں سوالات ہی اصل محرک ہیں۔ امجد کے ہاں سوال صرف ایک لسانی آلہ نہیں بلکہ ایک فکری مزاحمت ہے، ایک ایسا وجودی اشارہ جس کے ذریعے شاعر اپنی داخلی کشمکش کو زبان دیتا ہے اور قاری کو محض سماعت کرنے والا نہیں بلکہ سوچنے والا بناتا ہے۔ نظم کا آغاز ہی ایک گہرے، فکری اور وجودی سوال سے ہوتا ہے": اتنے بڑے نظام میں صرف اک میری ہی نیکی سے کیا ہوتا ہے؟" یہ سوال صرف انکساری یا عاجزی کا اظہار نہیں، بلکہ ایک کائناتی مایوسی (cosmic disillusionment) کا اشاریہ ہے۔ شاعر یہاں ایک ایسی دنیا کے سامنے کھڑا ہے جس کا حجم، پیچیدگی، اور اجتماعی بے حسی اتنی بڑی ہے کہ اس کے اندر ایک فرد کی "نیکی" — یعنی اس کی انفرادیت، صداقت، اور اخلاقی آزادی — بے معنی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سوال گویا فرد کے احساسِ بے اثری (sense of futility) کا خلاصہ ہے، وہ احساس جو ہر آزاد باشعور انسان کو کسی نہ کسی لمحے گرفت میں لیتا ہے۔ لیکن یہ سوال مایوسی پر منتج نہیں ہوتا؛ بلکہ یہی سوال وہ مرکز ہے جہاں سے وجودی ہیروزم کی ابتدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جب شاعر کہتا ہے:

اگر ایک میں ہی سچا ہوتا(13)"

Name of Journal: Al-Anfal
ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

تو وہ سوال، جو پہلے بے اثری کا اظہار یہ تھا، اب مزاحمت کی بنیاد بن جاتا ہے۔ اس جملے میں ایک شدید داخلی کشمکش بھی موجود ہے: ایک طرف سچائی کی شدید خواہش، اور دوسری طرف خود کے جھوٹ سے آلودہ ہونے کا اعتراف۔ یہ وہ لمحہ ہے جہاں شاعر کی زبان وجودی ایمانداری (existential honesty) سے لبریز ہو جاتی ہے۔

سوالیہ لہجہ یہاں محض rhetorical device نہیں بلکہ ایک تحقیقی سفر (inquisitive journey) کا اظہار ہے۔ شاعر قاری کو passive absorber کی حیثیت سے مخاطب نہیں کرتا، بلکہ اُسے فکر کے میدان میں اتارتا ہے۔ یہ سوالات صرف نظم کے اندر موجود نہیں، بلکہ قاری کے ذہن میں اُتر جاتے ہیں— وہ خود بھی پوچھنے لگتا ہے: کیا میں سچا ہوں؟ کیا میری ذات کی کوئی معنویت ہے؟ کیا میری اخلاقی کوشش کسی نظام سے ٹکرا سکتی ہے؟ یہ سوال دراصل وجودی ذمہ داری (existential responsibility) کی بھی علامت ہیں۔ شاعر جانتا ہے کہ اگر وہ "اکیلا سچا" ہو، تو اس کی صداقت اتنی طاقتور ہو سکتی ہے کہ وہ کسی نظام، کسی روایت، کسی جھوٹ سے ٹکرا سکتی ہے— چاہے اس ٹکراؤ کی قیمت اس کا اپنا جسم، اپنا وجود کیوں نہ ہو۔ یہی مقام نظم کو محض جذباتی یا اخلاقی بیانیہ نہیں بناتا، بلکہ ایک فکری-جمالیاتی جدوجہد کا آئینہ بنا دیتا ہے۔ نظم "فرد" کا یہ سوالیہ لہجہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ فکر ہمیشہ جواب کی تلاش میں نہیں بلکہ سوال کے شدت آمیز لمحے میں بیدار ہوتی ہے۔ مجید امجد ان سوالات کے ذریعے نہ صرف اپنی ذات کی صداقت پر کربناک نظر ڈالتے ہیں، بلکہ قاری کے شعور کو بھی اس آئینے کے سامنے کھڑا کرتے ہیں، جہاں ہر سوال ایک احتجاج، ایک دعوتِ فکر، اور ایک نئی معنی خیزی کی ابتدا بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امجد کی نظم میں سوال محض ایک شعری آہنگ نہیں بلکہ فلسفے کی پہلی ضرب ہے— جو پڑھنے والے کو ایک فکری ہمسفر میں بدل دیتی ہے۔

مجموعی طور پر مجید امجد کی نظم "فرد" اردو نظم نگاری میں محض ایک تخلیقی تجربہ نہیں، بلکہ ایک مکمل فکری اور وجودی مظہر ہے، جو فرد کے داخلی شعور، اخلاقی اضطراب، اور صداقت کی جستجو کو شاعری کے وسیلے سے ایک معنوی کائنات میں ڈھالتا ہے۔ یہ نظم ہمیں دکھاتی ہے کہ شاعری اگر صرف جمالیاتی لطف یا جذبے کی ترسیل تک محدود نہ رہے، تو وہ فکر، احتجاج، اور خود احتسابی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس نظم میں علامتی اشیاء، تجریدی زبان، اور سوالیہ لہجے کے ذریعے جو تجربہ تخلیق ہوتا ہے، وہ فرد کی اُس داخلی کشمکش کو مجسم کرتا ہے۔ "فرد" ہمیں یہ بھی سکھاتی ہے کہ ایک تنہا فرد کی ایمانداری— اگر وہ مکمل ہو— تو وہ کسی بھی بڑے نظام سے ٹکرا سکتی ہے۔ لیکن اس سچائی تک پہنچنے کا سفر آسان نہیں؛ یہ نظم ہمیں دکھاتی ہے کہ اس راستے پر جھوٹ، مصلحت، کمزوری، اور بے بسی کے سائے کتنے گہرے ہیں۔ مجید امجد اس تاریکی کو صرف دکھاتے نہیں، بلکہ اس کے اندر سے صداقت کا امکان بھی دریافت کرتے ہیں۔ یوں یہ نظم ایک ایسی فکری وحدت کی حامل ہو جاتی ہے جہاں زبان، تجربہ اور شعور ایک دوسرے میں جذب ہو کر ایک ایسا وجودی مکالمہ تخلیق کرتے ہیں، جو قاری کو بھی اپنا مخاطب بنا لیتا ہے۔ یہ شاعری محض ایک ادبی تجربہ نہیں رہتی، بلکہ ایک مسلسل سوال بن جاتی ہے— اور یہی اس کی سب سے بڑی طاقت ہے۔

AL- ANFAL
SLOGAN HERE

Name of Journal: Al-Anfal

AL- ANFAL
SLOGAN HERE

ISSN (Online): 3006-5208
ISSN (Print): 3006-5194
Name of Publisher: Al-Anfal Education & Research
Vol. 3 No.2 (2025)

حوالہ جات وحواشی:

(1) آغا، ڈاکٹر وزیر (2000ء)، "نظم جدید کی کروٹیں"، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص 11۔

(2) مظہری، کوثر (2008ء)، "جدید نظم: حالی سے میراجی تک"، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص 11۔

(3) کیرکیگارڈ، ایس (1980ء)، "The Concept of Anxiety"، پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ص 304۔

(4) نطشے، فریڈرک (2006ء)، " Thus Spoke Zarathustra "، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ص 312۔

(5) سارترے، جے پی (2007ء)، " Existentialism is a humanism"، ییل یونیورسٹی پریس، ص 17۔

(6) فلن، ٹی آر (2006، " Existentialism: A Very Short Introduction")، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ص 112۔

(7) امجد، مجید (2011ء)، "کلیات راشد"، دہلی، کتابی دنیا، 203۔

(8) کریم، ارتضیٰ (2004ء)، "اردو ادب احتجاج اور مزاحمت کے رویے"، دہلی، اردو اکادمی، ص 11۔

(9) امجد، مجید (2011ء)، "کلیات راشد"، دہلی، کتابی دنیا، 203۔

(10) ڈاکٹر شاہ عالم ڈاکٹر شاہ (2015ء)، "مجید امجد کی نظم نگاری"، مشمولہ: "اردو ریسرچ جرنل"، مدیر: عزیز اسرائیل، دہلی، نیٹیزنز فار ڈیولپمنٹ، ص 72-76۔

(11) امجد، مجید (2011ء)، "کلیات راشد"، دہلی، کتابی دنیا، 203۔

(12) ایضاً

(13) ایضاً